علامہ اقبالؒ اور مغربی جمہوریت

حافظ زاہد علی

لیکچرار شعبہ عربی، گورنمنٹ کالج، شیخوپورہ

عصر حاضر میں فکر چنگیزی نے جن فتنوں کو جنم دیا ان میں مغرب کا نظام جمہوریت سب سے بڑا فتنہ ہے۔ بظاہر یہ ایک جنت ہے جس میں انسانیت کی قدر و قیمت پہچانی جاتی ہے، جس میں غربت اور امارت کا کوئی سوال باقی نہیں رہتا، لیکن جب اس کے باطن پر نظر ڈالی جائے تو یہ ایک جہنم نظر آتی ہے جس میں تکالیف اور پریشانیاں بھری پڑی ہیں، جس میں انسانیت کو کند چھری سے ذبح کیا جاتا ہے۔ جس میں شخصی آزادی کا گلہ گھونٹ دیا جاتا ہے اور جس میں غریب اور کمزور کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ تجربہ نے چہرۂ جمہوریت کے خوش نما اور دل کش غازہ کو بڑی حد تک کھرچ دیا ہے، لیکن قریباً ساٹھ ستر سال قبل کا دور وہ تھا جس میں یورپ کی استعمار پسند حکومتیں دنیا پر چھائی ہوئی تھیں، وہ دور تصور جمہوریت کا موسم بہار تھا، شکنجۂ استعمار میں کسی ہوئی قوموں کے مضطرب جذبات تصور جمہوریت کا استقبال کر رہے تھے، اور یہ تصور اہل دانش، اہل نظر اور اصحاب فکر کی عقل و دانش پر یہاں تک چھایا ہوا تھا کہ وہ کھینچ تان کر اسلام کو بھی اپنی ہی صف میں کھڑا کرنا چاہتے تھے کہ جمہوریت کے جس تخیل کو وہ متاع بے بہا سمجھ رہے ہیں اسلام بھی اسی کی تعلیم دیتا ہے اور بازار سیاست میں اس کا خریدار ہے۔

لیکن اگر ہم جذبات سے بالاتر ہو کر حقیقت کو سامنے رکھیں تو حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مذہب جمہوریت کی موافقت نہیں کر سکتا۔ جس طرح جمہوریت اگر صحیح معنوں میں جمہوریت ہے تو وہ مذہب کے تابع نہیں ہو سکتی کیونکہ ہم جمہوریت کے ثنا خواں اور مدح سرا اس لیے ہوتے ہیں کہ اس

میں عوام کو آزادی میسر آتی ہے۔ رائے کی آزادی، فکر کی آزادی، تحریر کی آزادی، تقریر کی آزادی، مطلق العنان حریت یعنی بے لگام آزادی،، حالانکہ کوئی بھی مذہب اس مطلق العنان، بے لگام اور منہ چھوٹ آزادی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اس کے برعکس مطلق العنان آزادی جو جمہوریت کا طرۂ امتیاز مانی جاتی ہے، رفتہ رفتہ آوارگی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

جمہور کے پاس ووٹ کی طاقت ضرور ہوتی ہے لیکن کیا اس حقیقت سے انکار ہو سکتا ہے کہ جس طرح مغز نکال دینے کے بعد بادام کا چھلکا کوڑا کرکٹ یا ایندھن بن جاتا ہے اسی طرح ووٹ دینے والے بھی ووٹ دینے کے بعد بے مغز پوست، بلکہ گرد پا بن جاتے ہیں۔

کیا جمہوریت ایک خلاف اسلام نظریہ ہے؟

جمہوریت ایک سراسر خلاف اسلام اور خلاف عقل نظریہ ہے۔ یہ صرف ہمارا ہی دعویٰ نہیں، بلکہ وہ حضرات جو یا تو خالص دین کے ماہر تھے یا ہیں یا علم سیاست اور علم دین دونوں سے ان کا تعلق ہے، وہ سب اس نظریہ کو خلاف اسلام اور خلاف فطرت سمجھتے ہیں۔ جمہوریت کیوں خلاف اسلام ہے، اس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

جمہوریت کے خلاف اسلام ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ جمہوریت میں حاکمیت اعلیٰ عوام کی ہوتی ہے جب کہ اسلامی نظام حکومت میں حاکمیت اعلیٰ صرف اور صرف اللہ رب العزت کی ہوتی ہے۔ انسانی سوسائٹی میں کوئی قامت ایسا نہیں ملتا جس پر حاکمیت کا جامہ راست آتا ہو، اس کا اطلاق صرف اور صرف فعّال لما یرید (۱) پر ہوتا ہے، جس کا حکم قانون، جس کی طاقت اور قوت لامحدود، جس کے کام غیر مسئول اور جس کی ذات منزّہ عن الخطاء ہے، اور وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس ہے۔ علامہ مرحوم نے درست فرمایا

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتان آزری (۲)

جمہوریت سرمایہ دارانہ نظام کی ایک فرع ہے۔ اس میں امیر لوگ، جاگیردار اور وڈیرے

برسراقتدار آتے ہیں کیونکہ جمہوریت کا مقصد وحید یہ ہے کہ اقتدار کی باگیں عوام کے منتخب نمائندوں کے جو کہ وڈیرے اور جاگیردار ہوتے ہیں، ہاتھ میں دے دی جائیں۔ اگرچہ جمہوری ریاست کے ہر فرد کو حاکمیت کے حقوق حاصل ہیں اور کارپردازان حکومت ان کے ترجمان ہوتے ہیں، لیکن عملاً حکومت سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ طبقہ کی خواہشات کے مطابق ہی کی جاتی ہے اور اس طرح مملکت کے باشندوں کا ایک طبقہ دوسرے طبقے کو حاکمیت سے یکسر محروم کر کے ان پر اپنی خواہشات کو مسلط کر دیتا ہے۔

جس نظام حکومت میں قوت و اقتدار کا اصل مدار ذرائع پیداوار کے قبضے پر ہو، وہاں سماج کا مختلف گروہوں میں بٹ جانا ایک فطری امر ہے۔ اس لیے وہ گروہ جو سرمائے میں طاقتور ہوتا ہے، وہ بڑی آسانی سے غریب طبقہ کے حقوق کو پامال کرتا ہے، چنانچہ جمہوریت کے ایک بہت بڑے نقاد نے اس نظام کا ذکر کرتے ہوئے بالکل درست کہا ہے:

”یہ جمہوریت ایک بہت بڑا دھوکہ اور فریب ہے۔ امراء کے لیے تو یہ واقعی ایک جنت ہے لیکن کمزوروں، ناداروں اور غریبوں کے لیے یہ غلامی کا ایک بدترین جال ہے“۔

اس نظام کو چلانے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جو بالعموم سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ مسند اقتدار پر آتے ہی اس لیے ہیں کہ اپنے حقوق کی ہر طرح سے حفاظت کر سکیں، اس لیے ان کے وجود سے ان کے اپنے گروہ کے آدمی تو داد عیش دیتے ہیں لیکن دوسرے طبقہ خصوصاً بندۂ مزدور اور ہاریوں کے اوقات نہایت تلخ ہو جاتے ہیں۔

جمہوریت چونکہ سرمایہ دارانہ نظام کی ایک فرع ہے لہٰذا اس میں امراء اور جاگیرداروں کے عیش و عشرت کے لیے غرباء دن رات مختلف قسم کی صنعتوں میں ڈھور ڈنگروں کی طرح کام کرتے ہیں۔ امراء کی قوت خرید زیادہ ہوتی اور غرباء کی کم۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ امراء دن بدن امیر تر اور غرباء روز بروز غریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

جمہوریت میں پارلیمنٹ کے اندر دو گروہوں کا ہونا ضروری ہے، ایک حزب اقتدار اور

دوسرا حزب اختلاف، حزب اقتدار کا مقصد اپنی مرضی کے مطابق قوانین بنانا اور عوام پر ٹھونسنا ہوتا ہے، جب کہ حزب اختلاف کی غرض وغایت حزب اقتدار کی ہر بات کی مخالفت ہے حتّٰی کہ اگر حزب اقتدار شریعت بل بھی پیش کرے تو حزب اختلاف اس کی بھی مخالفت کرے گا گویا جمہوریت میں Agree to Differ کے اصول کے تحت کام کرنا ہوتا ہے جب کہ اسلام میں Differ to agree کے اصول کے تحت امور طے ہوتے ہیں۔

یہ جو کہا جاتا ہے کہ جمہوریت میں عوام اور جمہور کی حکومت ہوتی ہے، یہ سراسر غلط ہے۔ جمہوریت بھی بالواسطہ ایک ڈکٹیٹرشپ ہے جو عام ڈکٹیٹرشپ سے زیادہ بدتر ہوتی ہے، کیونکہ ڈکٹیٹرشپ میں تو پھر بھی کچھ احتجاج ہوسکتا ہے، لیکن جمہوریت کے بارے میں عوام کو یہ فریب دیا جاتا ہے کہ حکومت تو تمہاری اپنی ہے۔ تمہیں نے ووٹ دے کر ہمیں اپنے نمائندے مقرر کیا تھا، لہٰذا ہم کچھ نہیں کر رہے بلکہ تم ہی سب کچھ کر رہے ہو۔ اس طریقہ سے عوام کے احتجاج کا گلہ گھونٹ دیا جاتا ہے۔

اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ جمہوریت میں وزیر اعظم حزب اقتدار کا قائد اور سربراہ ہوتا ہے، لیکن حزب اقتدار کا کوئی شخص نہ تو اس سے اختلاف رائے کرسکتا ہے اور نہ ہی اس کی مرضی کے خلاف دم مار سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وزیر اعظم ملک کے سیاہ وسفید کا مالک ہوتا ہے۔ وہ اکثر قانون پہلے نافذ کرتا ہے اور پارلیمنٹ سے منظوری بعد میں لیتا ہے اور اس کی پارٹی کے افراد اس کو منظوری دینے کے لیے مجبور ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی شخص وزیر اعظم سے اختلاف کرے تو اس کو پارٹی ڈسپلن کے خلاف تصور کرتے ہوئے پارٹی سے نکال دیا جاتا اور اس کی اسمبلی کی رکنیت ختم کر دی جاتی ہے اور اسے دلائی کیمپ وغیرہ کے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ مشہور سیاسی دانشور الفرڈ کابن نے لکھا ہے:

''جمہوریت اس بات کی متقاضی ہے کہ کوئی صحیح رائے عامہ (PublicOpinion) ہو اور اس رائے عامہ کے تجریدی تخیل (AbstractThinking) کو جب محسوس اور مرئی شکل میں منتقل کیا جاتا ہے تو اس میں سے منطقی طور پر آمریت ابھر آتی ہے''۔

ضروری نہیں کہ یہ آمریت کسی فرد ہی کی ہو، بلکہ ایک پارٹی اور ایک گروہ، بلکہ ایک خاندان کی بھی ہوسکتی ہے۔ البتہ ایک چیز ان سب کے درمیان قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے، وہ یہ ہے کہ مسندِ اقتدار پر متمکن ہونے کے بعد افراد، گروہ اور خاندان ان لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو بالکل غیر مسئول سمجھتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بلاشرکت غیرے ان لوگوں پر حاکم ان کے مالک ہیں جن کے ووٹ لے کر وہ مسندِ اقتدار پر قابض ہوئے تھے.

اسلامی نظام حکومت اور جمہوریت میں ایک واضح فرق یہ بھی ہے کہ اسلامی نظام حکومت میں بندوں کو تولا جاتا ہے جبکہ جمہوری نظام حکومت میں بندوں کو گنا جاتا ہے۔ اور یہ چیز نظامِ فطرت کے خلاف ہے کہ ہر شخص کی رائے کا وزن ایک جیسا ہو، خود قرآن حکیم میں ہے:

''قل هل يَسْتَوِی الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ''(۳)

''آپ کہہ دیجئے کیا علم والے اور جاہل برابر ہیں۔''

جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے!(۴)

مشہور ماہر سیاسیات ڈاکٹر برک (Burke) نے جمہوریت کی اسی خرابی کے بارے میں لکھا ہے:

''جمہوریتوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جمہوریت کی یہ شرائط شاذ و نادر ہی پوری ہوتی ہے۔ عملی اعتبار سے جمہوریت دراصل جہالت کی حکمرانی کا نام ہے۔ اس کی ساری توجہ کمیت اور تعداد پر رہتی ہے۔ اس میں ووٹ گنے جاتے ہیں انہیں تولا نہیں جاتا۔''

کہا جاتا ہے کہ جمہوریت میں جمہور کی فرماں روائی اور سیادت تسلیم کی جاتی ہے، لیکن یہی چیز جمہوریت کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔ جمہور کسی مستقل اور پائیدار چیز کا نام نہیں بلکہ یہ ایک بڑی لچکدار چیز ہے جو ہر زوردار چیز سے دباؤ کھا کر اپنی شکل بدل لیتی ہے۔ اس سے روٹی، کپڑا اور مکان کا فراڈ کیا جا سکتا ہے۔ اس کا استحصال کیا جا سکتا ہے۔ اس کو لالچ دیا جا سکتا ہے۔ اس کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے، ایسی غیر

مستقل چیز پر جس ریاست کی بنیاد رکھی جائے، اس میں نہ تو استقلال اور پائیداری پائی جاسکتی ہے اور نہ ہی وہ انسانیت کے لیے مفید ہوسکتی ہے، مختصر یہ کہ جمہور کوئی پائیدار اور مستقل ارادہ نہیں رکھتے کہ اس کے اجتماعی ارادے کو بنیاد بنا کر کسی ریاست کا نظام چلایا جاسکے۔

جمہوریت کا واحد مقصد یہ ہوتا ہے کہ اقتدار کی باگیں عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ میں دے دی جائیں، لیکن جمہور جن کو اتنا بڑا اور اہم کام سپرد کیا جاتا ہے خود ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ غربت ان کے اندر غور وفکر اور سوچ و بچار کی ساری صلاحیتوں کو مفلوج کر دیتی ہے۔ ان میں اتنی بصیرت اور سمجھ بوجھ نہیں ہوتی کہ وہ اپنے نفع ونقصان کا صحیح طور پر فیصلہ کرسکیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جانوروں کی طرح اپنے الگ الگ گروہ بنالیتے ہیں اور پھر بغیر سوچے سمجھے اپنے دھڑے کے بااختیار لوگوں کی حمایت کرنا اپنی زندگی کا کمال سمجھتے ہیں۔ ان کی اپنی کوئی رائے نہیں ہوتی بلکہ ان کی آواز ان کے گروہ یا پارٹی کی صدائے بازگشت ہوتی ہے۔ چنانچہ پروفیسر ہیرلڈ لاسکی (Hearld Laski) لکھتا ہے:

> ''رائے عامہ کا سرچشمہ نہ تو علم ہے اور نہ ہی عقل وفہم، بلکہ اسے ہمیشہ اپنے گروہ اور پارٹی کے مفادات جنم دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے انتخابات میں فیصلے ایسے عجیب وغریب وجوہ کی بنا پر کیے جاتے ہیں، جن کا کسی طرح بھی علمی تجزیہ (Scientific Analysis) نہیں کیا جاسکتا۔''(۵)

لوگ عموماً کسی کو آگے لگاتے وقت اور قوم کی زمام اس کے ہاتھ میں دیتے وقت اس کے اخلاقی اور ذہنی اوصاف نہیں دیکھتے، وہ اکثر صرف یہ دیکھتے ہیں کہ وہ نعرہ کتنے زور کا لگاتا ہے اور زبان کے استعمال میں کس قدر مطلق العنان ہے۔ وہ انہی لوگوں پر فریفتہ ہوتے ہیں جو ان کا رخ حقائق سے موڑ کر انہیں آرزوؤں اور تمناؤں کی جنت میں لے چلیں۔ وہ حقائق سے آشنا کرنے والوں اور عقل کی بات بتانے والوں کو اپنا دشمن اور خوش کن باتیں بنانے والوں اور بڑکیں مارنے والوں کو اپنا محسن اور خیر خواہ سمجھتے ہیں۔ وہ اسی شخص کے نعرے لگاتے ہیں جو ان کے سامنے انہیں ہوائی خوشنما باتیں پیش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے نمائندگان کے انتخاب میں پیہم غلطیاں کرتے ہیں، لیکن پھر بھی نصیحت نہیں پکڑتے۔ وہ اندھی تقلید اور بہری پیروی کے اس قدر خوگر ہوجاتے ہیں کہ کوئی خوفناک سیاسی حادثہ بھی ان کی آنکھیں نہیں کھول

سکتا۔ یہاں تک کہ ان کا محبوب قائد کوئی ملک دشمن کاروائی بھی کر دے یا ملک کی دولت لوٹ کر باہر محلات بھی بنالے، ملک کو دولخت بھی کر دے، پھر بھی وہ مختلف تاویلات سے اس کے اس فعل کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر ان چالاک اور عیار طالع آزماؤں کو منتخب کر لینے کے بعد وہ یہ نہیں سوچتے کہ انہیں ان کے راہ نما کدھر لے جا رہے ہیں:

ٹامس کارلائل نے جمہوریت کی اسی کمزوری کے پاس سے یہ کہا تھا:

''جمہوریت ایک ایسا نظام ہے جس میں اعلیٰ اور نیک خصلت مگر خاموش انسانوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ یہاں اقتدار لاف زنی کرنے والے دھوکہ بازوں کے حصہ میں آتا ہے''۔

حکومت کے مسائل علم سے تعلق رکھتے ہیں۔ جمہور زیادہ تر جاہل ہوتے ہیں اس وجہ سے وہ مختلف امیدواروں کی تقاریر سن کر یہ فیصلہ ہی نہیں کر پاتے کہ کون صحیح بات کہہ رہا ہے۔ اور تعلیم بھی وہ جس کا حکومت کے مسائل سے تعلق ہو، کیونکہ قومی اور بین الاقوامی مسائل کو سمجھنے کے لیے حکومتی تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ جمہور غریب ہونے کی وجہ سے یہ اعلیٰ تعلیم نہیں حاصل کر سکتے، کیونکہ اس زمانہ میں تعلیمی اخراجات اس قدر زیادہ ہیں کہ دولت مندوں کے علاوہ دوسرا ان کے بار کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اس وجہ سے غریب تعلیم سے محروم رہتے ہیں۔

سرمایہ دار طبقہ جو حکومت کی مسند پر براجمان ہوتا ہے وہ بھی اپنی زندگی کا سرنہاں جمہور کی جہالت ہی میں پنہاں ہوتا ہے، کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ غریب طبقہ میں فکر و احساس کی لہریں پیدا ہو گئیں تو ہماری زندگی خطرہ میں ہوگی۔ لہٰذا حکمران طبقہ کی ساری کوششیں اسی بات پر مرکوز رہتی ہے کہ جمہور زیادہ سے زیادہ جاہل رہیں۔ اور اگر ان کو کوئی تعلیم بھی دی جائے تو وہ ایسی تعلیم ہو جو ان کے اندر غور و فکر کی صلاحیتیں ابھارنے کے بجائے ان کی ذہنی قوت کو یک قلم معطل اور مفلوج کر دیں، اور انہیں امورِ مملکت میں دل چسپی لینے کے بجائے صبح و شام صرف ایک ہی فکر ہو اور وہ روٹی کمانے کی فکر۔ چنانچہ ہیرلڈ لاسکی نے لکھا ہے:

''اگر علم کی کلید غریبوں کے ہاتھ میں دے دی جائے تو وہ اس بات کو سوچنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اس نظام کو بیخ و بن سے

اکھاڑ دیا جائے جو بغیر کسی منصفانہ اصول کے معاشرہ میں عدم مساوات کو روا رکھتا ہے، اس لیے تمام وہ حکومتیں جو عدل و مساوات کی بنیاد پر قائم ہیں، وہ اپنی قوت لوگوں کی جہالت سے حاصل کرتی ہیں، اور اس کے لیے ملک میں ایسا نظام تعلیم رائج کرتی ہیں جو اس غلط اساس کو کم از کم صدمہ پہنچائے، لہٰذا ان کے ہاں تعلیم کا مقصد لوگوں کو زیور تعلیم سے مزین کرنا نہیں ہوتا بلکہ سرمایہ داری کو ہر قسم کے حملوں سے محفوظ کرنا ہوتا ہے۔"(٦)

یہ جو کہا جاتا ہے کہ جمہوریت عوام کی یا عوام کی اکثریت کی حکومت ہوتی ہے، یہ بھی عوام کے ساتھ ایک بہت بڑا فراڈ ہے کیونکہ اول تو اکثریت کی رائے کا اندازہ کس طرح لگایا جاسکتا ہے۔ ایک شخص کے لیے جو معاشرے میں رہتا ہے یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ بغیر دباؤ کے اپنی اصلی رائے کا اظہار کر سکے۔ اکثریت کی رائے تو بہت بڑی بات ہے، ایک فرد واحد کی صحیح رائے بھی معلوم نہیں کی جاسکتی کیونکہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ ان کی اپنی رائے نہیں ہوتی بلکہ دباؤ کے تحت نکلی ہوئی رائے ہوتی ہے.

جمہوری حکومت میں حکومت کا محور صرف معاشیات کو بنانا پڑتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اجتماعی ارادہ جو جمہوری ریاستوں کا طاغوت و مسجود ہوتا ہے، انفرادی ارادوں کے اجتماع سے وجود میں آتا ہے۔ اور افراد جب خدا کی عبادت اور بندگی سے آزاد ہوں تو ان کا منتہائے مقصود صرف نفس اور بدن کے مطالبات کو پورا کرنا ہوتا ہے جو معاشیات کا سرچشمہ ہے۔ بدیں وجہ ہر جمہوری حکومت معاشی مسائل کو اولیت اور اولویت کا درجہ دیتی ہے اور حکومت دیگر تمام مسائل کو معاشی مسائل کے تابع سمجھتی ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ کو معاشیات کے تابع کر دینے کا لازمی نتیجہ وہ حیوانیت اور بہیمیت ہے جس کا مشاہدہ ہم مغربی جمہوری ممالک میں کر رہے ہیں۔ اخلاقی حسن کی موت، خدا سے بے نیازی، بلکہ بیزاری اور مادہ پرستی کا غلبہ یہ سب چیزیں اسی شکم پرستی اور حرص و آزرو کے لازمی نتائج ہیں، جن سے نجات اس وقت تک ممکن نہیں، جب تک جمہوریت کا عفریت دنیا میں باقی ہے۔ اور جب تک معاشیات کے بت کی پرستش اس دنیا میں جاری ہے۔ چنانچہ دنیا کے مشہور ملحد جوزف سٹالن نے بالکل صحیح کہا تھا:

''لوگوں کو روحانیت اور مذہب سے بیگانہ اور متنفر کرنے کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ ان کو

معاشیات کی جانب زیادہ سے زیادہ متوجہ کردیا جائے۔"(۷)

جمہوری حکومت میں معاشیات کو محور بنانے کا دوسرا اثر یہ ہوتا ہے کہ جمہوریت کے ساتھ سرمایہ داری کا ایک ناقابل انقطاع رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج دنیا میں ہر جگہ نظام سرمایہ داری اور نظام جمہوری ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ کسی ملک میں سیاسی نظام جمہوری ہو اور معاشی نظام سرمایہ داری کے علاوہ کچھ اور ہو، اس لیے کہ جمہوریت کے بارے میں دو صورتوں میں سے ایک صورت ضروری ہوگی۔

جمہوری نظام کے قیام سے قبل ملک میں نظام سرمایہ داری موجود ہو۔ اس صورت میں یہ بات یقینی اور قطعی ہے کہ برسر اقتدار پارٹی یا تو خود سرمایہ دار ہوگی یا سرمایہ داروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ جمہوری نظام کے قیام کے وقت معاشی نظام سرمایہ دارانہ نہ ہو، بلکہ اشتراکی یا کوئی اور ہو۔ ایسی صورت میں یہ لازم ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد معاشی نظام رفتہ رفتہ سرمایہ دارانہ نظام میں تبدیل ہو جائے گا، جیسا کہ سوویت یونین میں ہوگیا تھا۔ اس لیے کہ اس صورت میں جو جماعت بھی جمہوریت میں اقتدار پر قابض ہوگی، وہ سرمایہ پر پورا پورا قبضہ رکھے گی اور اس میں اپنے مفاد کے مطابق تصرفات کرے گی۔

دوسری بات یہ کہ ان ملکوں میں اگر شخصی سرمایہ داری نہ بھی ہو تو جماعتی سرمایہ داری تو یقینی ہے جو شخصی سرمایہ داری سے بھی زیادہ نقصان دہ ہے۔

اس خالص معاشی ریاست وسیاست کے تباہ کن اثرات کا احاطہ مشکل ہے۔ اس سے جو اخلاقی بربادی ہوتی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ اس کی ایک تازہ مثال برطانیہ سے شائع ہونے والے معروف اخبار "دی سن" (The Sun) میں ایک ایسی ماں کی جانب سے شائع ہونے والے اشتہار کی ہے جو کہ اپنے بیٹے کے ساتھ دو بیٹیوں کو بھی جنم دے چکی ہے۔ "I Want my son back" کے عنوان سے شائع ہونے والے اشتہار میں اس جنس زدہ اپیل میں ایک ماں نے اپنے بیٹے سے

فریاد کی ہے کہ وہ اسے 55 سال کی عمر میں دو بچوں کی ماں بنا کر تنہا نہ چھوڑے، کیونکہ وہ اس سے بہت محبت کرتی ہے اور اس کی جدائی میں پریشان ہے۔ اخبار کے مطابق بیٹے نے ماں کے پاس واپس جانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا ہے کہ "میں روز ایک نئی موت نہیں مر سکتا۔" برطانوی ماہر قانون مسٹر ہڈسن نے اس واقعہ کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ خدا ہم پر رحم کرے۔ پتہ نہیں ہم اور کیا کچھ کریں گے۔ اس عورت کو مر جانا چاہیے، لیکن وہ ڈھٹائی سے اخبارات میں اپیلیں شائع کروا رہی ہے۔ اب تو "ہم جنس پرستوں" کو قانونی تحفظ بھی مل گیا ہے لیکن پھر بھی یہ عورت اپنے بیٹے کا پیچھا نہیں چھوڑ رہی۔ (۸)

یہ تو اخلاقی بربادی ہے، لیکن اس کا ایک نتیجہ عجیب و غریب ہوتا ہے جس کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا یعنی یہ خود اس جمہوریت اور ریاست کو بھی خطرہ میں مبتلا کر دیتی ہے جو اس کو وجود عطا کرتی ہے۔ قارونیت کا غلبہ انسان سے انسانیت کا جوہر سلب کر لیتا ہے۔ ایک سرمایہ دار کو صرف سرمایہ عزیز ہوتا ہے۔ نہ اس کو قوم کی پروا ہوتی ہے، نہ ملک کی اور نہ جماعت کی۔ وطنیت اور قومیت کے وہ تصورات جن پر عموماً جمہوریت کی بنیاد قائم ہوتی ہے، سرمایہ دار کے ذہن سے قطعاً محو ہو جاتے ہیں اور وہ ہر اس چیز کی اعانت اور امداد کرتا ہے جس سے اس کے سرمایہ کی ترقی اور حفاظت ہوتی ہو، خواہ اس کے نتیجہ میں ریاست، ملک اور قوم سب تباہ و برباد ہو جائیں۔ انگلستان کے مشہور دانشور جان گینتھر اپنی کتاب Inside Europe میں لکھتا ہے:

"فرانسیسی سپاہی کے سینہ میں جرمنی کی جانب سے جو گولی آ کر لگتی ہے، بہت ممکن ہے کہ وہ فرانس ہی کے کارخانے کی بنی ہوئی ہو۔" (۹)

جمہوریت کی انہی بے پناہ خرابیوں کی وجہ سے حضرت علامہ اقبالؒ نے جمہوریت کی بڑی شدت سے مخالفت کی کیونکہ وہ اس کو ایک اسلامی ریاست کے لیے زہر قاتل اور مہلک سمجھتے تھے، چنانچہ علامہ فرماتے ہیں۔

متاع معنیٔ بیگانہ از دوں فطرتاں جوئی

ز موراں شوخی طبعِ سلیمانی نمی آید
گریز از طرز جمہوری، غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکرِ انسانی نمی آید(۱۰)

''تو پست فطرت لوگوں (اہل مغرب) سے ایسی متاع طلب کرتا ہے، جس کے معنی (اصلیت) ہمارے لیے اجنبی ہیں۔''

تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ چیونٹیوں کے اندر طبع سلیمان کی شوخی پیدا نہیں ہوسکتی۔''

یعنی تم ایک اچھوتے اور حکیمانہ خیال کی توقع ایسے لوگوں سے کرتے ہو جو جاہل اور پست فطرت ہیں، کہاں چیونٹی اور کہاں سیدنا سلیمان علیہ السلام، ہم ایک چیونٹی سے سیدنا سلیمان علیہ السلام کی سی ذہانت طبع کی توقع نہیں رکھ سکتے۔ اس اکاون فی صد والی رواجی جمہوریت کو چھوڑ دو کیونکہ اگر دوسو گدھے بھی جمع ہو جائیں تو ان سے ایک انسان کے فکر کی توقع نہیں کی جاسکتی.

ایسی جمہوریت بے کار ہے کیونکہ اس میں ووٹنگ کے ذریعہ افراد کو گنا جاتا ہے ان کی رائے کا وزن نہیں کیا جاتا اور اسلام تو کثرت رائے نہیں بلکہ قوت دلیل کا قائل ہے۔ چنانچہ علامہ فرماتے ہیں۔

اس راز کو اک مرد فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں، تولا نہیں کرتے!(۱۱)

بندوں کو گننے والی جمہوریت میں اکثریت کی رائے بھی اپنی نہیں ہوتی بلکہ چند خودغرض اور بددیانت دولت مندوں کی رائے ہوتی ہے جس کو وہ اپنی دولت اور اثر ورسوخ کے بل بوتے پر ان کے ووٹوں کی صورت میں لے آتے ہیں۔ گویا وہ درحقیقت جمہوریت نہیں ہوتی بلکہ بادشاہت اور استبداد کی ایک صورت ہوتی ہے جو جمہوریت کا لبادہ اوڑھ لیتی ہے چنانچہ علامہؒ فرماتے ہیں:

ہے وہی سازِ کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری
مجلسِ آئین و اصلاح و رعایات و حقوق
طبِّ مغرب میں مزے میٹھے، اثر خواب آوری
گرمیٔ گفتارِ اعضائے مجالس، الاماں!
یہ بھی اک سرمایہ داروں کی ہے جنگ زرگری (۱۲)

ابلیس کی مجلس شوریٰ میں جب ابلیس کا ایک مشیر دوسرے کو کہتا ہے کہ تو سلطان جمہور کے نئے فتنے سے بے خبر ہے، یہ فتنہ خیر نہیں شر ہے:

خیر ہے سلطانیٔ جمہور کا غوغا کہ شر
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے بے خبر (۱۳)

تو دوسرا مشیر جواب دیتا ہے کہ میں سلطانی جمہور کی نئی تحریک سے باخبر ہوں لیکن وہ تو بادشاہت کا ایک پردہ ہے، لہٰذا اس سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ جب آدم اپنی حیثیت سے کسی قدر باخبر ہونے کے بعد بادشاہوں کی غلامی اور سختی کے خلاف بغاوت پر آمادہ ہونے لگا تو ہم نے اسے خود دھوکہ میں مبتلا کرنے کے لیے بادشاہت ہی کو جمہوریت کا لباس پہنا دیا۔ بادشاہت کا کاروبار بادشاہ کے بغیر بھی جاری رہ سکتا ہے۔ بادشاہ کا امتیازی شان لوٹ کھسوٹ اور ظلم ہے، سو یہ امتیاز ایک جمہوری نظام کے اندر مجلس ملت کو بھی حاصل ہے۔ مغرب کا جمہوری نظام دیکھ لو۔ کیا وہ انصاف اور مساوات کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود کمزور قوتوں کو غلام بنا کر ان پر چنگیز کی طرح مظالم نہیں ڈھا رہا۔ چنانچہ حضرت علامہؒ فرماتے ہیں:

ہوں، مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے

جو ملوکیت کا اک پردہ، ہو اس سے کیا خطر!
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خودشناس و خودنگر
کاروبارِ شہر یاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجودِ میر و سُلطاں پر نہیں منحصر
مجلسِ ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطاں، غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر(۱۴)

حضرت علامہ نے تو جمہوری نظام کو اشترا کی نظام سے بھی بدتر نظام قرار دیا ہے کیونکہ اس نظامِ حکومت نے ملوکیت کی روح کو قائم رکھا ہے، اس لیے ابلیس کے مشیر اس سے بہت زیادہ نہیں گھبراتے، لیکن اشترا کی نظامِ حکومت نے اس روح کو بالکل فنا کر دیا ہے، اس لیے اس کے مشیر اس سے بہت زیادہ پریشان ہیں اور اضطراب کی حالت میں سوال کرتے ہیں:

روحِ سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب؟
وہ کلیم بے تجلی، وہ مسیح بے صلیب
نیست پیغمبر و لیکن در بغل دارد کتاب
کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہ پردہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روزِ حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خیموں کی طناب

خلاصہ یہ کہ اقبال مغرب کی ایجاد کی ہوئی اکاون فی صد والی غیر فطری جمہوریت کا ہرگز قائل نہیں کیونکہ یہ نظریہ سراسر اسلامی نظریہ سیاسی کے خلاف ہے۔ اسلام میں جمہوریت کا مطلب صرف اتنا ہی ہے کہ مشہور و معروف دینداری اور تقویٰ کے ثقہ اور معتبر لوگ جس شخص کو خلیفہ تسلیم کر لیں اسے سب تسلیم کر لیں۔ ظاہر بات ہے کہ ایسے لوگوں کی ایک جماعت ملک میں ہر وقت موجود رہے گی اور ایسے لوگ اپنے ایمان اور تقویٰ کی وجہ سے خود بخود لوگوں کے راہ نماؤں کے مقام پر ہوں گے۔ خلیفہ کے لیے ضروری ہے کہ مسند خلافت پر فائز ہونے کے بعد ایسے لوگوں کے مشورہ سے کام کرے۔ لیکن اگر وہ ان کی اکثریت کی رائے سے مطمئن نہ ہو تو ضروری نہیں کہ وہ اس پر عمل کرے۔ اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو کسی کی رائے نہ مانے اور اپنی رائے کے مطابق کام کرے، اور چاہے تو اقلیت کی رائے پر عمل کرے لیکن یہ ضروری ہے کہ خلیفہ کی جو رائے بھی ہو سب اس کی اطاعت کریں اور اس کا حکم بجالائیں۔ اگر اکاون فی صد والی جمہوریت کا کوئی اسلامی تصور ہوتا تو سیدنا ابوبکرؓ یہ نہ فرماتے

''وَاللّٰهِ! لَأُجَاهِدَ نَّهُمْ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عِقَالاً''(۱۵)

''اگر وہ مجھ سے ایک رسی بھی زکوٰۃ کی روکیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا۔''

حواشی ومراجع

(۱) البروج:۱۶

(۲) بانگِ درا،نظم خضرراہ:ص۲۷۴،کلیات:ص۲۹۰

(۳) الزمر:۹

(۴) ضربِ کلیم بعنوان جمہوریت:ص۱۶۱،کلیاتِ اقبال:ص۶۶۱

(۵) Herald Laski: Crisis of Democracy, P.21

(۶) H. Laski: Crisis of Democracy, 75

(۷) فتنہ جمہوریت:ص۴۵

(۸) روزنامہ ''دی سن'' مورخہ 16 جولائی 2003ء، بحوالہ ماہنامہ الحسن اپریل 2005ء

(۹) فتنہ جمہوریت:ص۱۸۴

(۱۰) پیام مشرق جمہوریت:ص۲۴۸

(۱۱) ضرب کلیم بعنوان جموریت:ص۱۶۰،کلیات:ص۶۶۰

(۱۲) بانگِ درا،نظم خضرراہ:ص۲۷۴،کلیات:ص۲۹۰

(۱۳) ارمغانِ مجاز دوسرا مشیر،ابلیس کی مجلس شوریٰ:ص۱۱،کلیات:ص۷۰۳

(۱۴) ارمغان حجاز،ابلیس کی مجلس شوریٰ،پہلا مشیر:ص۱۲،کلیات اقبال:ص۷۰۴

(۱۵) ترمذی:۲/۸۳،مصف ابن ابی شیبہ:۱/۱۳۵،سنن کبریٰ بیہقی:۴/۱۷۲،الملل والنحل لابن حزم:۵/۲۷۶

☆ ☆ ☆